بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث رسولؐ کی تشریعی حیثیت

جناب مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ایڈیٹر "الاعتصام" لاہور

ادلہ شرعیہ اور مصادر شریعت کے تذکرے میں قرآن کریم کے بعد حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمبر آتا ہے، یعنی قرآن کریم کے بعد شریعت اسلامیہ کا یہ دوسرا ماخذ ہے۔ حدیث کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے۔ تقریر سے مراد ایسے امور ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کئے گئے لیکن آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ خاموش رہ کر اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمادیا۔

ان تینوں قسم کے علوم نبوت کے لیے بالعموم چار الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔
خبر[۱]، اثر[۲]، حدیث[۳] اور سنت[۴]

خبر ویسے تو ہر واقعے کی اطلاع اور حکایت کو کہا گیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے لیے بھی ائمہ کرام اور محدثین عظام نے اس کا استعمال کیا ہے اور اس وقت یہ حدیث کے مترادف اور اخبار الرسول کے ہم معنی ہوگا۔

اثر۔ کسی چیز کے بقیہ اور نشان کو کہتے ہیں، اور نقل کو بھی اثر کہا جاتا ہے۔ اسی لیے صحابہ و تابعین سے منقول مسائل کو آثار کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آثار کا لفظ مطلقاً بولا جائے گا تو اس سے مراد آثار صحابہ ہی ہوں گے لیکن جب اس کی اضافت الرسول کی طرف ہوگی یعنی آثار الرسول کہا جائے گا تو اخبار الرسول کی طرح آثار الرسول بھی احادیث الرسول کے ہی ہم معنی ہوگا۔

حدیث کے معنی گفتگو کے ہیں اور اس سے مراد وہ گفتگو اور ارشادات ہیں جو آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے نکلے۔

سنت عادت اور طریقے کو کہتے ہیں اور اس سے عادات و اطوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اس لیے جب سنتِ نبویؐ یا سنتِ رسولؐ کہیں گے تو اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عادات و اطوار ہوں گے۔

اول الذکر دو لفظوں (خبر اور اثر) کے مقابلے میں ثانی الذکر الفاظ (حدیث اور سنت) کا استعمال علوم نبوت کے لیے عام ہے اور اس میں اتنا خصوص پیدا ہو گیا ہے کہ جب بھی حدیث یا سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات ہی مراد ہوتے ہیں۔ اس مفہوم کے علاوہ کسی اور طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے حدیث اور سنت کے مفہوم میں بھی فرق کیا ہے کہ سنت سے مراد آنحضرت کے اعمال و عادات ہیں اور حدیث سے مراد اقوال۔ اور بعض لوگوں نے اس سے بھی تجاوز کر کے یہ کہا کہ آپ کے اعمال و عادات عرب کے ماحول کی پیداوار تھیں اس لیے ان کا اتباع ضروری نہیں صرف آپؐ کے اقوال قابل اتباع ہیں۔ لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ محدثین نے سنت اور حدیث کے مفہوم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ وہ سنت اور حدیث دونوں کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سنت سے صرف عادات و اطوار مراد لے کر ان کی شرعی حجیت سے انکار بھی غلط ہے اور انکارِ حدیث کا ایک چور دروازہ۔

بہرحال حدیث اور سنت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کو کہا جاتا ہے اور یہی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ، شریعت کا مصدر اور مستقل بالذات قابل استناد ہے۔ چنانچہ امام شوکانی فرماتے ہیں۔

اعلم انه قد اتفق من يعتد به من اهل العلم على ان السنة المطهرة مستقلة بتشريع الاحكام وانها كالقران في

تحلیل الحلال وتحریم الحرام - [1]

معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سُنّتِ مطہرہ تشریعِ احکام میں مستقل حیثیت کی حامل ہے اور کسی چیز کو حلال قرار دینے یا حرام کرنے میں اس کا درجہ قرآن کریم ہی کی طرح ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

ان ثبوت حجیة السنة المطهرة واستقلالها بتشریع الاحکام ضرورة دینیة ولا یخالف فی ذلك الامن لاحظ له فی دین الاسلام - [2]

"سنت مطہرہ کی حجیت کا ثبوت اور تشریع احکام میں اس کی مستقل حیثیت ایک اہم دینی ضرورت ہے اور اس کا مخالف وہی شخص ہے جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں"

سنت کے مستقل حجتِ شرعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے جو حکم ثابت ہو، وہ مسلمان کے لیے قابلِ اطاعت ہے چاہے اس کی صراحت قرآن میں ہوئی یا نہ ہو۔ آپ کے صرف وہی فرمودات قابلِ اطاعت نہیں ہوں گے جن کی صراحت قرآن کریم میں آگئی ہے جیساکہ گمراہ فرقوں نے کہا ہے اور اس کے لیے ایک حدیث بھی گھڑلی کہ میری بات کو قرآن پر پیش کرو، جو اس کے موافق ہو اسے قبول کرلو اور جو اس کے مخالف ہو اسے رد کردو [3] بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ صحیح سند سے ثابت ہو۔

---

[1] ارشاد الفحول: ص ۳۳،

[2] (حوالہ مذکور)

[3] امام شوکانی لکھتے ہیں:
امام یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ قرآن پر حدیث کو پیش کرنے والی روایت موضوع ہے جسے بے دینوں نے گھڑا ہے ارشاد الفحول ص

اس لیے کسی بھی حدیث رسول کو ظاہر قرآن کے خلاف باور کرا کے اسے رد کرنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں ۔ یہ طریقہ صرف اہل زیغ اور اہل اہواء کا ہے جنہوں نے موافقیت قرآن کے خوشنما عنوان سے بے شمار احادیث رسول کو ٹھکرا دیا ۔ چنانچہ امام ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں ۔

وقد امر الله عزوجل بطاعته واتباعه امرا مطلقا ولم یقیده بشئ کما امرنا باتباع کتاب الله ولم یقل وافق کتاب الله کما قال اهل الزیغ ۔ ؎۱

اللہ تعالے نے اپنے نبی کی اطاعت واتباع کا مطلقاً حکم فرمایا ہے اور اسے کسی چیز سے مقید (مشروع) نہیں کیا ہے، جس طرح اس نے ہمیں اپنی کتاب (قرآن مجید) کے اتباع کا حکم دیا ہے اور اللہ نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ نبیؐ کی بات تم اس وقت مانو جب وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو، جس طرح کہ اہل زیغ کہتے ہیں:

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں ۔

"ان قول من قال تعرض السنة علی القران فان وافقت ظاهره والا استعملنا ظاهر القران وترکنا الحدیث جهل " ؎۲

یعنی" قبولیت حدیث کو موافقت قرآن سے مشروط کرنا جہالت (قرآن وحدیث سے بے خبری) ہے"

اور امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں ۔

؎۱ (جامع بیان العلم: ج ۲: ۱۹۰، ۱۹۱

؎۲ (اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام"، ج ۷: ص ۲۵ : دارالشروق ، بیروت)

والسنة مع القرآن على ثلاثة اوجه احدها ان تكون موافقة له من كل وجه فيكون توارد القران والسنة على الحكم الواحد من باب توارد الادلة وتظافرها - الثانی ان تكون بیانا لما ارید بالقران وتفسیرا له - الثالث ان تكون موجبة لحكم سكت القران عن ایجابه او محرمة لما سكت عن تحریمه ولا تخرج عن هذه الاقسام فلا تعارض القران بوجه ما - فما كان زائدا علی القران فهو تشریع مبتداء من النبی صلی اللہ علیه وسلم تجب طاعته فیه ولا تحل معصیته ولیس هذا تقدیما لها علی كتاب اللہ بل امتثال لما امر اللہ به من طاعة رسوله ولو كان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یطاع فی هذا القسم لم یكن لطاعته معنی وسقطت طاعته المختصة به وانه اذا لم تجب الا فیما وافق القران لا فیما زاد علیه لم یكن له طاعة خاصة تختص به وقد قال اللہ تعالیٰ مَن يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ [1]

یعنی "حدیثی احکام کی تین صورتیں ہیں؛

ایک تو وہ جو من کل الوجوہ قرآن کے موافق ہیں۔

دوسرے، وہ جو قرآن کی تفسیر اور بیان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تیسرے، وہ جن سے کسی چیز کا وجوب یا اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے در اں حالیکہ قرآن میں اس کے وجوب یا حرمت کی صراحت نہیں ہے۔

احادیث کی یہ تینوں قسمیں قرآن سے معارض نہیں ہیں۔ جو حدیثی احکام زائد علی القرآن ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کو واضح کرتے ہیں یعنی ان کی تشریع و تقنین آپ

---

[1] اعلام الموقعین ۲/۴۰۲ ـ ۱۴۰۳ بہ تحقیق عبد الرحمن الوکیل۔

کی طرف سے ہوئی ہے جس میں آپؐ کی اطاعت واجب اور نافرمانی حرام ہے۔ اور اسے تقدیم علی کتاب اللہ بھی نہیں کہا جاتا بلکہ یہ اللہ کے اس حکم کی فرماں برداری ہے جس میں اس نے اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اگر اس (تیسری) قسم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطا نہ کی جائے اور یہ کہا جائے کہ آپؐ کی اطاعت صرف انہی باتوں میں کی جائے جو قرآن کے موافق ہوں گی تو پھر آپ کی اطاعت کا حکم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور آپؐ کی وہ خاص اطاعت بھی ساقط ہو جاتی ہے جس کا حکم اللہ تعالےٰ نے دیا ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَا اللّٰهَ"[1]

حدیث کی اس تیسری قسم (زائد علی القرآن) ہی کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپ امت کو تنبیہی انداز میں فرمایا تھا۔ الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ۔ الحدیث[2]

"خبردار! یاد رکھنا، مجھے قرآن بھی عطا کیا گیا ہے اور اس کی مثل (یعنی سنت)؛ اور آپ کا یہی وہ منصب ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[3]

(اے پیغمبرؐ! ہم نے تمہاری طرف قرآن اس لیے اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو اس کی تشریح و تبیین کر کے بتلاؤ۔)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کے مطابق توضیح و تشر کی اور اس کے اجمالات کی تفصیل بیان فرمائی، جیسے نماز کی تعداد اور رکعات، اس کے ا اور نماز کی وضع و ہیئت۔ زکوٰۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کی ادائیگی کا وقت اور د تفصیلات۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اجمالات کی یہ تفسیر و توضیح نبوی امت مسلمہ میں جا سمجھی گئی اور قرآن کریم ہی کی طرح اسے واجب الاطاعت تسلیم کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ

---

[1] قرآن کریم۔ النساء: ۸۰

[2] الحدیث، رواہ ابوداؤد والدارمی (مشکوٰۃ باب الاعتصام۔

[3] (النحل: ۴۴)

زکوٰۃ کی یہ شکلیں عہدِ نبویؐ سے آج تک مسلم و متواتر چلی آرہی ہیں ۔ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل و تفسیر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے، بالکل اسی طرح عمومات قرآنی کی تخصیص اور اطلاقات کی تقیید بھی تبیینِ قرآنی کا ایک حصہ ہے اور قرآن کے عموم و اطلاق کی آپؐ نے تخصیص و تقیید بھی فرمائی ہے اور اسے بھی امت مسلمہ نے متفقہ طور پر قبول کیا ہے، اسے زائد علی القرآن کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ آج کل بعض گمراہ اذہان اس طرح کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں ایسے عموم قرآنی کی پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے تخصیص کی گئی ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں کہا گیا ہے: اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا۔ [1]

چور (مرد و عورت) کے ہاتھ کاٹ دو"۔ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ بالکل عام ہے جس کے عموم میں ہر قسم کا چور آجاتا ہے۔ لیکن اس عموم سے حدیث رسولؐ نے اس چور کو خارج کر دیا جس نے ربع دینار سے کم کی چوری کی ہو۔ لا یقطع السارق الا فی ربع دینار فصاعداً [2] اور اس عموم میں تخصیص کر دی کہ اس سے وہ خاص چور مراد ہے جس نے ایک خاص قدر و قیمت کی چیز چرائی ہو نہ کہ ہر قسم کے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے جیسا کہ آیت السارق کے عموم کا اقتضاء ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور تخصیصات بھی احادیث سے ثابت ہیں۔ نیز بعض فقہاء نے بھی بعض شرطیں عائد کر کے اس کے عموم میں مزید تخصیص کی۔ مثلاً چوری محفوظ کئے ہوئے مال کی کی گئی ہو، چور مجنوں نہ ہو، اضطرار کا شائبہ نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایسی صورتیں ہوئیں تب بھی چور السارق کے عموم میں شامل نہیں ہوگا۔

۲۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

---

[1] المائدہ ۳۸۱۔

[2] سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد ۲، صفحہ ۲۵۵۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ [1]

"مردار اور خون تمہارے لیے حرام ہیں"

لیکن اس عموم میں حدیث رسولؐ نے تخصیص کی اور مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی (دو خون) حلال قرار دیئے۔ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ الْجَرَادُ الْحُوتُ وَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ [2] حالانکہ عموم آیت کی رو سے یہ چیزیں حرام قرار پاتی ہیں۔

۳۔ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ [3]۔ اس آیت میں کلمہ حصر (اِلّا) کے ساتھ محرمات کی تفصیل ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ ان محرمات مذکورہ بالا کے علاوہ دیگر چیزیں حلال ہوں۔ لیکن اس عموم میں بھی حدیث رسول سے تخصیص کی گئی اور ہر ذی ناب (کچلی والا) درندہ اور ذی مخلب (پنجے سے شکار کرنے والا) پرندہ بھی حرام کر دیا گیا:

كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلُّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ۔

(اس مفہوم کی کئی روایات کتب حدیث میں ہیں) اسی طرح حدیث رسول سے محرمات میں گدھے کا اضافہ کیا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ [4]

---

[1] (المائدۃ - ۳)

[2] (سنن بیہقی بحوالہ بلوغ المرام)

[3] (الآیۃ (الانعام: ۱۴۵:

[4] (بخاری۔ کتاب المغازی: باب غزوہ خیبر: ج ۲: ص ۶۰۴)

۴۔ اسی طرح قرآن صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرتا ہے۔ رضاعی بیٹی کی حرمت کا اضافہ حدیث رسول سے ہی کیا گیا ہے۔

۵۔ قرآن صرف دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو جمع کرنے کی ممانعت قرآن کریم میں نہیں ہے بلکہ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ کے عموم سے ان کے جمع کرنے کی اباحت نکلتی ہے۔ لیکن حدیث رسولؐ نے ہی اس عموم میں یہ تخصیص کی کہ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ کے حکم عموم میں خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۶۔ اسی طرح سورۃ النور میں زانی مرد و عورت کی جو سزا اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ[1] میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے، یہ عام ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زانی کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ لیکن اس آیت کے عموم میں بھی حدیث رسولؐ نے تخصیص کر دی اور آپؐ نے اپنے طرز عمل سے بھی اس کی وضاحت فرما دی کہ سورۃ النور میں جو زنا کی سزا بیان کی گئی ہے، وہ صرف غیر شادی شدہ زانیوں کی ہے۔ اگر زنا کار مرد یا عورت شادی شدہ ہوں گے تو ان کی سزا سو کوڑے نہیں، جو قرآن میں بیان کی گئی ہے، بلکہ رجم — سنگساری — ہے۔

اسی طرح اور متعدد مقامات ہیں جہاں قرآن کے عموم کو حدیث رسولؐ سے خاص اور مقید کیا گیا اور جس کو آج تک سب بالاتفاق مانتے آئے ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح یہ منصب ہے کہ آپ قرآن کے مجمل احکام کی تفسیر اور تفصیل بیان فرمائیں

---

[1] سورہ النور: ۲

جیسے نمازوں کی تعداد، رکعتوں کی تعداد اور دیگر مسائل نماز۔ زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی دیگر تفصیلات، حج، وعمرہ اور قربانی کے مناسک ومسائل اور دیگر اسی انداز کے احکام ہیں۔ اسی طرح آپ کو یہ تشریعی مقام بھی حاصل ہے کہ آپ ایسے احکام دیں جو قرآن میں منصوص نہ ہوں، جس طرح کہ چند مثالیں ابھی بیان کی گئی ہیں۔ انہیں ظاہرِ قرآن کے خلاف یا زیادۃ علی القرآن یا نسخ قرآن باور کرا کے رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایسے احکام حدیثیہ کو ظاہر قرآن کے خلاف یا قرآن پر زیادتی یا قرآن کا نسخ کہنا ہی غلط ہے۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کا قرآن نے اطاعتِ رسول کا مستقل حکم دے کر بیان فرمایا ہے کہ مثلاً

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ [1]

اس آیت میں اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ لیکن اولوالامر کی اطاعت کے حکم کے لیے الگ اطیعوا کا لفظ نہیں لایا گیا۔ البتہ اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول ضرور کہا، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت مستقل ہے بالکل اسی طرح اطاعتِ رسول بھی مستقل اور ضروری ہے تاہم اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے اطاعتِ خدا اور رسولؐ کے ساتھ مگر اولوالامر اطاعت رسول یا اطاعتِ الٰہی سے انحراف کریں تو لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ کے تحت ان کی اطاعت واجب نہیں رہے گی بلکہ مخالفت ضروری ہوگی۔ اور آیت مذکورہ کے دوسرے حصے فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر صرف کتابِ الٰہی کو ہی

---

[1] (النساء: ۵۹)

ماننا کافی ہوتا تو تنازعات کی صورت میں صرف کتابِ الٰہی کی طرف لوٹنے کا حکم دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کتابِ الٰہی کے ساتھ الرسول کی طرف لوٹنے کو بھی ضروری قرار دیا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت کے وجوب کو ثابت کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مستقل اطاعت کے حکم کو قرآن کریم نے بڑا کھول کر بیان فرمایا ہے: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کو بہ تکرار متعدد جگہ ذکر فرمایا۔ مثلاً سورۂ نساء کے علاوہ المائدۃ ۹۲ - النور ۵۴ - سورۂ محمد ۳۳ - التغابن ۱۲۔

نیز فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ[1] ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ[2] جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ[3]

ان آیات سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک مطاع اور متبوع کی ہے جس کی اطاعت و اتباع اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں آپ کو فصلِ خصومات اور رفع تنازعات کیلئے حاکم اور حکم بنایا گیا، جیسا کہ آیت مذکورہ بالا وَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کے علاوہ ذیل کی آیات سے بھی واضح ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[4]

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ[5] ۔ آپ کی یہ حاکمانہ حیثیت بھی آپ کی مستقل اطاعت کو ضروری قرار دیتی ہے

---

[1] النساء: ۶۴ [2] النساء: ۸۰ [3] آل عمران ۳۱ [4] ۶۵ . . [5] . . .

اسی طرح قرآن کریم کی آیت مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا میں بھی آپ کا یہی منصب بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم فرمائیں، وہ لے لو (یعنی اس پر عمل کرو) اور جس سے منع فرما دیں، اس سے رُک جاؤ۔ گویا آمر و ناہی بھی ہوئے۔

اسی طرح قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں ان میں تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ تعلیم کتاب وحکمت کا بھی ذکر ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ[2] (آل عمران، الجمعۃ ۲) یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ آیَاتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ[3] (البقرۃ ۱۵۱) ظاہر بات ہے کہ یہ تعلیم کتاب وحکمت، تلاوت آیات سے یکسر مختلف چیز ہے۔ اگر آپ کا مقصد بعثت صرف تلاوت آیات ہی ہوتا، اس کی تعلیم وتشریح آپ کی ذمے داری نہ ہوتی تو قرآن تعلیم کتاب وحکمت کے الگ عنوان سے اس کا ذکر کبھی نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم کتاب وحکمت بھی آپ کا منصب ہے۔ اور اس سے مراد آپ کی وہی تبیین وتشریح ہے جس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے۔

بہر حال قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت نعوذ باللہ صرف ایک "قاصد" اور "چھٹی رساں" کی نہیں ہے جس طرح کہ حدیث کی تشریعی حیثیت سے انکار کرکے باور کرایا جا رہا ہے بلکہ آپ کی حیثیت ایک مطاع ومتبوع، قرآن کے معلّم ومُبیّن اور حاکم وحَکَم کی ہے۔ اس لیے آپ کے جو فرامین صحیح سند سے ثابت ہیں وہ دین میں حجت اور اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح قرآن کے احکام پر عمل اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔

۱؎ الحشر ۷،

۲؎ آل عمران ۷، الجمعۃ: ۲،

۳؎ البقرۃ ۱۵۱۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کریم اور احادیث رسول میں کوئی فرق نہیں کیا اور دونوں کو نہ صرف یکساں واجب الاطاعت جانا بلکہ احادیث کو قرآن ہی کا حصہ گردانا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوْتَشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ [1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرنے والی ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس بات کا علم قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت اُم یعقوب کو ہوا، تو وہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور آکر کہا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا وَمَالِيَ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ [2] آخر میں کیوں نہ ان پر لعنت کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور جو کتاب اللہ کے مطابق بھی ملعون ہیں" اس عورت نے کہا "میں نے سارا قرآن پڑھا ہے، اس میں تو کہیں بھی (مذکورہ) عورتوں پر لعنت نہیں ہے جس طرح کہ آپ کہتے ہیں" آپ نے فرمایا "اگر تو قرآن کو (غور سے) پڑھتی تو اس میں ضرور یہ آیت پاتی مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۝ عورت کہنے لگی "ہاں یہ آیت تو ہے" حضرت ابن مسعود نے فرمایا "تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی (مذکورہ قابل لعنت چیزوں سے) منع فرمایا ہے۔" (صحیح بخاری)

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر، ج ۲: ص ۷۲۵)

[2] ایضاً

اس حدیث میں دیکھ لیجئے! حضرت ابن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو اللہ کا فرمان اور کتاب اللہ کا حکم قرار دیا اور جب اس دور کی پڑھی لکھی خاتون کو بھی یہ نکتہ سمجھایا گیا تو اس نے بھی اسے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ صحابۂ کرام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ قرآن ہی کی طرح وحیٔ الٰہی کا درجہ رکھتے تھے۔

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ایسے فیصلوں کو، جو قرآن میں منصوص نہیں ہیں کتاب الٰہی کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ جس طرح شادی شدہ زانی کی ——— حدِ رجم ——— ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے عموم میں تخصیص کر کے مقرر فرمائی۔ آپ نے اس حدِ رجم کو "کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ" قرار دیا

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بابرکت دور کو دیکھ لیجئے! آپ کو نمایاں طور پر یہ چیز ملے گی کہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف ہوتا تو حدیثِ رسولؐ کے معلوم ہوتے ہی وہ اختلاف ختم ہو جاتا اور حدیث کے آگے سب سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی تدفین اور آپؐ کی جانشینی کے مسئلے میں اختلاف ہوا جب تک ان کی بابت حدیث کا علم نہ ہوا اس پر گفتگو ہوتی رہی لیکن جوں ہی حدیث پیش کی گئی، مسئلے حل ہو گئے۔ تدفین کے مسئلے میں بھی اختلاف ختم ہو گیا اور جانشینی جیسا معرکہ آراء مسئلہ بھی پلک جھپکنے میں حل ہو گیا۔ اسی طرح متعدد قضایا اور واقعات ہیں جن میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حدیثِ رسول کو بلا تامل حجتِ شرعیہ سمجھا گیا اور اس کا علم ہوتے ہی بحث و تکرار کی بساط لپیٹ دی گئی۔ عہدِ صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین اور ائمہ و محدثین کے ادوار میں بھی حدیثِ رسول کی یہ تشریعی حیثیت قابلِ تسلیم رہی۔ بلکہ کسی دور میں بھی اہل سنت والجماعت کے اندر اس مسئلے میں اختلاف نہیں رہا۔

حدیثِ رسول کی یہی وہ تشریعی اہمیت تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر

محدثین کا ایسا بے مثال گروہ پیدا فرمایا، جس نے حدیث رسول کی حفاظت کا ایسا سروسامان کیا کہ انسانی عقلیں ان کاوشوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور حدیثِ رسولؐ کی تہذیب و تنقیح کے لیے ایسے علوم ایجاد کیے جو مسلمانوں کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہیں۔ اگر حدیث رسول کی یہ تشریعی اہمیت نہ ہوتی، جس طرح کہ آج کل باور کرایا جا رہا ہے تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کو حفاظت حدیث کے لیے اتنی عرق ریزی اور جگر کاوی کی پھر ضرورت کیا تھی۔

مولانا حالی نے کیا خوب محدثین کو منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

گروہ ایک جو یا تھا علم نبیؐ کا　　لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا　　کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون
کیا فاش جو عیب راوی میں پایا　　مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا بتایا　　ائمہ میں جو داغ دیکھا جتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملّا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

قرآن کریم جس قسم کا انسانی معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے، جو تہذیب و تمدن انسانوں کے لیے پسند فرماتا ہے اور جن اقدار و روایات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس کے بنیادی اصول اگرچہ قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی عملی تفصیلات و جزئیات سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مہیا کی ہیں، اس لیے یہ اسوۂ رسول ـــــ اسوۂ حسنہ ـــــ جو احادیث کی شکل میں محفوظ و مدوّن ہے، ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ایک بیش قیمت سرمایہ رہا ہے۔ اسی اتباعِ سنّت اور پیروی رسولؐ کے جذبے نے مسلمانوں کو ہمیشہ الحاد و زندقہ سے بچایا ہے، شرک و بدعت کی گرم بازاری کے باوجود توحید و سنّت کی مشعلوں

کو فروزاں رکھا ہے، مادیت کے جھکڑوں میں روحانیت کے دیئے جلائے رکھے ہیں شرارِ بولہبی پر چراغِ مصطفوی غالب رہا ہے۔

آج جو لوگ سنتِ رسولؐ کی تشریعی حیثیت کو ختم کرنے پہ تلے ہوئے ہیں، وہ دراصل اتباعِ سنت کے اسی جذبے کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں، جو قرآنِ کریم کے برپا کردہ اسلامی معاشرے کی روح اور بنیاد ہے اور جس کے بعد انسانوں کے اس معاشرے کو جس میں مسلمان بستے ہیں، مغربی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھالنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ چنانچہ ہمارے معاشرے کا یہی طبقہ ـــــ جو بد قسمتی سے ہم مقتدر بھی ہے ـــــ حدیثِ رسول کی حجیت کا مخالف ہے اور قرآن کے نام پر مغربی تہذیب کو بڑی تیزی سے فروغ دے رہا ہے۔ پچھلے مختلف ادوار میں بھی اگرچہ انکارِ حدیث کا یہ فتنہ کسی نہ کسی انداز سے رہا ہے لیکن جو عروج اسے اس زمانے میں حاصل ہوا ہے اس سے پیشتر کبھی نہ ہوا اور جو منظم سازش اس وقت اس کے پیچھے کارفرما ہے پہلے کبھی نہ تھی۔

اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کے بعد معتزلہ نے بعض احادیث کا انکار کیا، لیکن اس سے ان کا مقصود اپنے گمراہانہ عقائد کا اثبات تھا، اسی طرح گذشتہ چودھویں صدی میں نیچر پرستوں نے احادیث کی حجیتِ شرعیہ میں مین میکھ نکالا، اس سے بھی ان کا مقصود اپنی نیچر پرستی کا اثبات اور معجزاتِ قرآنی کی من مانی تاویلات تھا۔ نیچر پرستوں کا یہی گروہ اب مستشرقین کی "تحقیقاتِ نادرہ" سے متاثر، ساحرانِ مغرب کے افسوں سے مسحور اور شاہدِ تہذیب کی عشوہ طرازیوں سے مرعوب ہو کر ایک منظم طریقے سے قومِ رسولِ ہاشمی کو ان کی تہذیب و معاشرت سے محروم اور اسلامی اقدار و روایات سے بیگانہ کر کے تہذیبِ جدید کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔

چنانچہ مغربی نومسلم فاضل علامہ محمد اسد لکھتے ہیں

"آج جب کہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر و نفوذ بہت بڑھ چکا ہے اہم ان لوگوں کے تعجب انگیز رویے ہیں، جن کو "روشن خیال مسلمان" کہا جاتا ہے، ایک اور سبب پاتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے۔ پھر موجودہ مسلمان نسل اس کے لیے تیار ہے کہ ہر مغربی چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور باہر سے آنے والے ہر تمدن کی اس لیے پرستش کرے کہ وہ باہر سے آیا ہے اور طاقت ور اور چمک دار ہے۔ مادّی اعتبار سے یہ افرنگ پرستی ہی اس واقعے کا سب سے بڑا سبب ہے کہ آج احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سُنّت کا پورا نظام رواج نہیں پا رہا ہے۔ سُنّتِ نبویؐ ان تمام سیاسی افکار کی کھلی اور سخت تردید کرتی ہے جن پر مغربی تمدن کی عمارت کھڑی ہے۔ اس لیے وہ لوگ جن کی نگاہوں کو مغربی تہذیب و تمدن خیرہ کر چکا ہے، وہ اس مشکل سے اپنے کو اس طرح نکالتے ہیں کہ حدیث و سنت کا بالکلیہ یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ سُنّت نبویؐ کا اتباع مسلمانوں پر ضروری نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور اس مختصر فیصلے کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب و تمدن کی رُوح سے انہیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے" (اسلام ایٹ دی کراس روڈز [1])

یہی علامہ محمد اسد سنّت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنتِ نبوی وہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا"

"یہ اعلیٰ مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی، عملی، انفرادی اور اجتماعی نظام ہے، اس طریقے سے (یعنی حدیث اور اتباع سنت

---

[1] بحوالہ "اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار": ص ۴۲، طبع ہند، لکھنؤ)

کی ضرورت کے انکار سے، ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا"۔[۱]

ایسے مدعیانِ اسلام کی بابت، جو اتباعِ رسول سے گریزاں اور حجیّتِ احادیث کے منکر ہیں، علامہ فرماتے ہیں:

"ایسے لوگوں کی مثال اُس شخص کی ہے جو کسی محل میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن اُس کنجی کو استعمال کرنا نہیں چاہتا جس کے بغیر دروازے کا کھلنا ممکن ہی نہیں"۔[۲]

---

[۱] (حوالۂ مذکور)

[۲] (اسلام ایٹ دی کراس روڈز۔ بحوالہ "معارف" اعظم گڑھ۔ دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۴۲۱)